ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
editor@zauq-e-tahqeeq.com
ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.6,Issue No.4 (2024)
(October to December)

مثنویاتِ میر: تہذیب و معاشرت کا نگار خانہ

Masnaviyaat-e-Mir: A Portrayal of Civilization and Society

صائمہ نورین بخاری

پی ایچ۔ڈی سکالر، شعبہ اُردو، بہاءالدین زکریایونیورسٹی، ملتان

ڈاکٹر محمد آصف

ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اردو، بہاءالدین زکریایونیورسٹی، ملتان

Saima Noreen Bukhari
Ph.d Scholar , Department of Urdu, Bahadin Zakriya University, Multan
subrang980@gmail.com
Dr. Muhammad Asif
Associate Professor, Department of Urdu, Bahadin Zakriya University, Multan
asif7475@hotmail.com

Abstract:
Meer taqi Meer (1723-1810) was the leading Urdu poet of the eighteenth century. He was renowned as "Ghazal Go" (غزل گو) but his creativity showed his remarkable talent in other genres of Urdu poetry and prose. Meer's Masnavis are considered a showcase his mastery of Urdu poetry. These Masnavis provide us a window of a clear reflection of the political and social situations of his era. Meer Masnavis serve as a powerful commentary on the burning civilization of subcontinent in 18th century، offering insight into the complexities and challenge of indian culture and civilization. This article will shed light on Khud-e-Sukhan (خدائے سخن), Meer Taqi Meer,s Masnavis and present interpretation of his concepts experiences and observations as a Masnavis Nigar in Urdu poetry.

Keywords: Meer Taqi Meer, Masanvi, Social commentary, political reflection, mystic love, discretion creativity.

میر تقی میر کا کلام کسی ایک خوبی سے عبارت نہیں ہے۔ ان کے کلام کی بنیاد بہت سے محاسن پر قائم ہے۔ سچے جذبات، داخلیت پسندی، سادگی و پرکاری، سوزوگداز، برجستگی، موسیقیت ان سب عناصر کے مجموعے کا نام "خدائے سخن" کہلانے والے میرؔ تقی میر کی شاعری ہے۔ میر تقی میرؔ ایک غزل گو شاعر تھے مگر انہوں نے مثنویاں بھی لکھیں اور مثنوی میں بھی کلام کے معیار کو برقرار رکھا۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کے مطابق میرؔ کی مثنویات کی تعداد قریباً سینتیس (۳۷) ہے (۱) جب کہ کلیات میر جلد ششم (مثنویات) مرتبہ کلب علی خاں فائق میں ان مثنویات کی تعداد انتالیس (۳۹) درج کی گئی ہے۔ (۲) مجنوں گورکھپوری اور ڈاکٹر گیان چند جین نے میرؔ کو غزل کے ساتھ ساتھ مثنوی کا نہایت اثر انگیز شاعر قرار دیا ہے۔ بیشتر ناقدین میرؔ کے مطابق ان مثنویوں میں ایک نہیں بلکہ کئی خوبیاں ایسی ہیں جو انہیں غزلوں سے زیادہ اہم بنا دیتی ہیں۔

"مثنوی کا لفظ، عربی زبان کے لفظ مثنیٰ سے بنا ہے اور مثنی کے معنی دوگنا یا دو ہیں۔ اصطلاحاً مثنوی، ایسی صنف سخن اور مسلسل نظم کو کہتے ہیں جس کے شعر میں دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوں اور ہر دوسرے شعر میں قافیہ بدل جائے۔ لیکن ساری مثنوی ایک ہی بحر میں ہو۔ نثر میں جو کام ایک ناول سے لیا جاتا ہے۔ شاعری میں وہی کام مثنوی سے لیا جاتا ہے۔ یعنی دونوں ہی کہانی بیان کرنے کے ذریعہ اظہار ہیں"۔(۳) مثنوی ایک وسیع صنف سخن ہے اور تاریخی اخلاقی، عشقیہ اور مذہبی موضوعات پر کئی ایک خوب صورت مثنویاں کہی گئی ہیں۔ مثنوی بھی غزل کی طرح فارسی کے آنگن میں پروان چڑھی یہ صنفِ سخن، خاص ایران کی ایجاد ہے اور فارسی شاعری سے ہی ہندوستان میں آئی۔ مثنوی گو فارسی شعراء میں رودکی کی مثنوی کلیلہ و دمنہ کا شمار فارسی کی قدیم ترین مثنویوں میں ہوتا ہے اور ان کے بعد بہت سے فارسی شعراء نے مثنویاں لکھیں۔ لیکن دو مثنویاں دنیائے ادب میں زندہ جاوید سمجھی جاتی ہیں اول فردوسی کی شہرہ آفاق مثنوی "شاہنامہ" اور دوم مولانا رومیؒ کی مثنوی "معنوی"، اردو میں مثنوی کی ابتداء دکن سے ہوئی اور اس دور میں کثرت سے مثنویاں لکھی گئیں اردو مثنوی گو شعراء میں رستمی، نصرتی، سراج دکنی، مُلا وجہی، محمد قلی قطب شاہ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

اس دور کے بعد میر اثرؔ، میر حسنؔ، میر تقی میرؔ، جراتؔ، دیا شنکر نسیمؔ، نواب مرزا شوقؔ، مومن خان مومنؔ اور مرزا غالبؔ نے مثنوی کی صنف کو اظہار حسن و عشق ہی نہیں بلکہ بے پناہ اظہار کا وسیلہ اور سماجی آئینہ داری کا ذریعہ بھی بنایا۔ میر تقی میرؔ بنیادی طور پر غزل گو شاعر تھے۔ ان کا مزاج غزل کے لیے موزوں تھا، ان کی تمام مثنویوں خصوصاً عشقیہ مثنویوں میں ان کے غزلیہ مزاج کا اثر بہت نمایاں ہے۔ میر کی مثنویات کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ اول، "عشقیہ مثنویاں"، دوم، "غیر عشقیہ مثنویاں"، "سوم" ہجویہ مثنویاں"۔ "ذکر میرؔ" سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ میرؔ تقی میر اپنے عہد کی طوفان خیز لہروں سے نبرد آزما رہے، غم کی طوفانی لہروں میں شدت احساس کے سلیقے کو برقرار رکھنا کوئی آسان امر نہیں تھا۔ ڈاکٹر جمیل جالبی رقم طراز ہیں۔

"میر کی غزل کی دنیا اگر غم دل کا بیان ہے تو ان کی مثنویاں اس دور کے سیاسی، سماجی حالات کی عکاس و آئینہ دار ہیں اور ترجمان بھی"۔(۴)

میر کے ابتدائی حالات کے حوالے سے عبدالباری آسیؔ لکھتے ہیں۔

"میرؔ صاحب ان بزرگ (سید امان اللہ) کے سایہ عاطفت میں تقریباً تین سال تک رہے جب ان کی عمر دس برس کی ہوئی تو سید امان اللہ کو حکم قضا و قدر نے ان سے ہمیشہ کے لیے جدا کر دیا۔ اس لیے قیاس چاہتا ہے کہ جب یہ سات برس کی عمر میں قرآن شریف پڑھتے تھے تو دس برس کی عمر میں قرآن شریف کے علاوہ رسمی درسیات کی کتابیں بھی پڑھی ہوں گی اور کچھ نہ کچھ سیکھ گئے ہوں گے۔ اس کے علاوہ چونکہ اپنے عم بزرگوار سید امان اللہ کے ساتھ اکثر کاملین کی صحبت میں جاتے تھے۔ اور ان کی باتیں سنتے اور یاد رکھتے تھے تو اس میں شبہ نہیں ہو سکتا کہ ان کو کچھ ادراک و شعور بھی حاصل ہو گیا ہو گا۔(۵) میر کی تعلیم و تربیت کے حوالے سے عبدالباری آسیؔ مزید لکھتے ہیں کہ "ان سب باتوں کے باوجود یہ کہنا پڑتا ہے کہ ان کی تعلیم نامکمل تھی اور وہ ابھی درسیاتِ رسمی تمام نہ کر چکے تھے کہ ان کے والد کے انتقال کے سبب سے ان کی جان پر قیامت گزر گئی گویا میر نے بچپن سے حالات کی سختیاں جھیلیں اور انہیں مشکلات نے کسی کے سامنے سر نہ جھکانے کی تربیت دی۔(۶) مثنوی "خواب و خیال" کے مندرجہ ذیل اشعار ملاحظہ کیجئے، جو میرؔ کے حالاتِ زندگی اور شخصیت کے عکاس بھی ہیں۔

زمانے نے رکھا مجھے متصل　　پراگندہ روزی، پراگندہ دل
گئی کب پریشانی روز گار　　رہا میں تو ہم طالعِ زلف یار

وطن میں نہ اک صبح میں شام کی　　نہ پہنچی خبر مجھ کو آرام کی

میر کی طبیعت میں خود داری کے باعث میرؔ سے یہ امید رکھنا کہ وہ کسی کی تعریف و توصیف میں قصیدے لکھیں بالکل عبث تھا ۔یہی وجہ تھی کہ انہوں نے عمر بھر میں صرف دو یا تین قصیدے لکھے جو ان کے دوسرے کلام کے سامنے بے مزہ پھیکے اور بے رنگ رہے۔بس ان فقیری اور بے کسی ان کے ہمراہ رہی۔"ان کی نازک مزاجی اور بے دماغی کی کیفیت ان والیان ملک سے بھی وہی تھی جو اوروں کے ساتھ تھی اور صبر و قناعت اور غیرت و خوداری نے اس کی لے اور بڑھادی تھی۔"(۷)میرؔ اپنی بے بسی اور بے کسی کی بڑی سادگی سے عکاسی کرتے ہیں۔"مثنوی خواب و خیال کے مندرجہ ذیل اشعار میں دل گذار کیفیات ملاحظہ کیجئے۔"

زمانے نے آوارہ چاہا مجھے　　مری بے کسی نے نباہا مجھے
رفیقوں سے دیکھی بہت کو تہی　　غریبی نے اک عمر کی ہم سری
مجھے یہ زمانہ جدھر لے گیا　　غریبانہ چندے بسر لے گیا
بندھا اس طرح آہِ بارسفر　　کہ نہ زاد رہ کچھ نہ یارِ سفر

یہ بات قابل توجہ ہے کہ میرؔ سے زیادہ سفر اس دور کے کسی شاعر نے نہیں کیا۔زندگی کے پچیس سال وہ مختلف امراء کے ملازم رہے،زندگی کی حقیقت کو بڑی تلخی سے جانا،مصائب برداشت کئے نوکری کی فاقہ کشی کی،چھپر میں رہے اور بیٹے کو چھپر تلے دبتے دیکھا۔دلی کو بار بار اجڑتے دیکھا۔اس دور کی تہذیب پائمال ہوتے ہوئے دیکھی۔بادشاہوں کی آنکھوں میں سلائیاں پھرتے ہوئے دیکھیں۔جاٹوں کی شورش،روہیلوں کی یورش سے ٹوٹتے اور بکھرتے ہوئے منظر دیکھے۔مغلیہ سلطنت کی بربادی دیکھی اور اس عہد کی عکاسی یوں کی۔گویا دریا کو کوزے میں بند کر دیا۔

یہ عہد جنوں ہے جنوں کیجئے　　جگر کو غزل کہتے خوں کیجئے

دل اور دلی ان کے لیے اجڑے ہوئے نگر تھے۔اسی اجڑے نگر میں جہاں میر تقی میرؔ نے اردو غزل کے عظیم تخلیق کار کی حیثیت سے اپنی منفرد شناخت بنائی اور غزل کے لامحدود انداز،اظہار اور سہل ممتنع کے حامل اسالیب عطا کیے وہاں ایک مثنوی گو کی حیثیت سے بھی اپنی انفرادی شناخت کے نقوش ثبت کئے۔میرؔ نے شمالی ہند میں اردو مثنوی کے بنیاد گزاروں کی حیثیت سے اپنی مثنویات میں اس امر کو روشن کیا کہ ان کی مثنویات داستانوی اور محض تصوراتی یا مافوق الفطرت عناصر کی کہانیاں نہیں ہیں بلکہ بعض مثنویوں سے ان کے عہد کے واقعات و حالات کی عکاسی بھی جھلکتی ہے۔محبت اور عشق کا پاکیزہ جذبہ پر اسرار جمالیات کا حامل نظر آتا ہے اور ہر عشقیہ قصے کا انجام ایک المناک صورت حال بن کر بھی سامنے آتا ہے۔بقول خواجہ احمد فاروقی:

"ان کے پلاٹ غیر اہم اور معمولی ہیں،اصل چیز وہ پاک اور سچا جذبہ محبت ہے جو ہر مثنوی کی فضا پر چھایا ہوا ہے"(۸)

عبد الباری آسی کے مرتبہ "کلیات میر" میں تمام مثنویاں چار عنوانات کے تحت موجود ہیں جن کی ترتیب درج ذیل ہے۔

1) ستائش ہائے گوناگوں

2) ہجویات

3) مثنویات شکار نامہ

4) مثنویات جذبات عشق

"ستائش ہائے گوناگوں" کے عنوان کے تحت میرؔ کی آٹھ مثنویاں دربار آصفی سے میر کے تعلق کی وضاحت ہی نہیں کرتی ہیں بلکہ اس دور میں شادی بیاہ کی دھوم دھام، روشنیوں کی چکاچوند، میلے تماشے، سیر و تفریح مختلف نوعیت کی تقریبات کا بیان اور حالات کی خوش فکری بھی ملتی ہے۔ ایک (Aesthetic) جمالیاتی پیش کش ملاحظہ کیجئے۔

ہر طرف شہر میں ہے آرائش
رہرواں کی نہیں ہے گنجائش
شیشہ بازِ فلک ہے آتش باز
کہکشاں سے ہوا، ہوائی ساز
ماہ سے ماہتاب کی ہے طرح
کس سے ہو لطیف روشنی کی شرح

مثنوی "در جشن ہولی و کتخدائی" میں زبان و بیان اور منظر نگاری کے عمدہ رنگ جھلکتے ہیں ہولی کے اس خوش گوار موقع پر سماجی سطح پر منائے جانے والے تہوار، جشن طرب، میلے ٹھیلے، کھیل تماشے، باغ باغیچے سب اپنی بہار دکھلا رہے ہیں اور لکھنو قریہ قریہ جنت کا سماں دکھا رہا ہے۔ اس دور کی تہذیب و ثقافت کی تصویر کشی یوں کرتے ہیں۔

دونوں رستے عمارتِ خوش ہے　　تازہ کاری شہر دل کش ہے
اور بازاری رنگ لائے ہیں　　سارے رنگیں ستوں لگائے ہیں
جس طرف دیکھو معرکہ سا ہے　　شہر ہے یا کوئی تماشا ہے
چشم بدور ایسی بستی ہے　　یہی مقصد ہے ملک ہستی ہے
لکھنو دلی سے بھی بہتر ہے　　کہ کسو دل کی لاگ ایدھر ہے

نواب وزیر علی خاں کی شادی کا بیان ہولی کے دنوں میں ہو یا نواب آصف الدولہ کے ساتھ شکار کے لیے جانا ہو، میرؔ کی طبیعت ان مثنویوں میں شگفتہ نظر آتی ہے۔ دریا میں کشتیوں کے ذریعے چراغاں کیا جا رہا ہو یا آتش بازی اور توپوں کے داغنے کا آتشیں سماں ہو میرؔ نے اپنی ان مثنویوں میں تمام نشاطیہ لوازمات و ضروریات کو حسب موقع شعر کے قالب میں پیش کیا ہے۔ اپنی دیگر مثنویوں میں انسان تو انسان، جانوروں کی محبت، ہوشیاری و چالاکی کو بھی موضوع بنایا ہے۔ مثال کے طور پر مثنوی دیگر، مرثیہ خروس کہ در خانہ فقیر بود، مثنوی در بیان بُز، مثنوی موہنی بلی، اور مثنویات شکار نامہ اول و دوم لکھ کر، جہاں بے زبان جانوروں کی حسیات بیان کی ہے وہاں سیر و تفریح اور شکار جیسے مشاغل جو نوابوں کی دل لگی کا ذریعہ تھے انہیں تجربات اور مشاہدات کے ذریعے مثنویوں کے روپ میں ڈھالا ہے۔ ان کی مثنویوں میں سماجی انسانی زندگی اپنی تمام تر رنگا رنگی اور رعنائی کے ساتھ جلوہ افروز ہے۔ میر کی مثنویانہ شاعری اپنے اندر زندگی اور حسن و صداقت کی فضا رکھتی ہے۔ اس ضمن میں خواجہ احمد فاروقی کا اقتباس ملاحظہ ہو۔

"میر کی روح فطرت کی محرم تھی، ان کا دل حسن کا اداشناس تھا اور ان کا جگر عشق و محبت کی شورشوں سے آشنا، یہی وجہ ہے کہ ان کا کلام حسن و صداقت کا ایسا گہوارہ ہے جس میں زندگی کی ہدایت کھڑی مسکرا رہی ہے"(۹)

میر اپنی مثنویوں میں دنیا کو کہیں جائے عبرت، کہیں تماشہ گاہ کہیں آئینہ خانہ اور کہیں مقام حسن قرار دیتے ہیں۔ سماج کی آئینہ دار، رویوں کی عکاس موت اور عشق و محبت کے تصورات، تصوف کے راز کھولتی ہوئی یہ مثنویاں اردو کی کلاسیکی مثنویوں میں ایک استعاراتی نظام رکھتی ہیں۔ تبسم کاشمیری رقم طراز ہیں۔ مثنوی "شعلہ شوق" کے اشعار ملاحظہ ہوں۔

محبت نے ظلمت سے کاڑھا ہے نور　　نہ ہوتی محبت، نہ ہوتا ظہور
محبت مسبب ، محبت سبب　　محبت سے آتے ہیں کارِ عجب
محبت بن اس جانہ آیا کوئی　　محبت سے خالی نہ پایا کوئی
محبت ہی اس کارخانے میں ہے　　محبت سے سب کچھ زمانے میں ہے

میر کے استعاراتی نظام میں ایک عجب توانائی ہے۔ اس طاقت سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ میر نے اپنی شخصیت کے خارجی اور داخلی پہلوؤں کے ساتھ، کس طرح حیات اور کائنات میں ربط کو رابطہ کی صورت میں ڈھالا۔ میر کے وہ استعارے جو ان کی غزلوں میں ان کی باطنی دنیا کا انکشاف کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ وہی مثنویوں میں بھی کار فرما ہیں اور اپنی تمام تر توانائیوں کے ساتھ ظہور پذیر ہوتے ہیں۔

"میر کے چار بنیادی استعارے آگ، پانی، ہوا اور مٹی ہیں اور یہ یہ چار عناصر زندگی کی بنیاد تصور کیے جاتے رہے ہیں۔ ان چاروں استعاروں سے میر کا گہرا رابطہ ہے۔ ان ہی کے حوالے سے وہ زندگی کی معنی خیز وحدت سے مربوط ہوتے ہیں"(۱۰)

میر تقی میر کی مثنوی، شعلہ عشق، دریائے عشق، معاملات عشق، جوش عشق، اعجاز عشق، ساقی نامہ، نہنگ نامہ، در ہجوم غافل نام، در ہجو نا اہل مسمیٰ بہ زبان زد عالم، مثنوی در بیان کذب، مثنوی در مذمت بیان دنیا وغیرہ وقت کے اجتماعی احساسات کی کہانیاں بیان کرتی ہوئی مثنویاں ہیں۔ مثنوی میں منظر نگاری، خارجی حسن کی تصویر کشی کو کہتے ہیں۔ اس میں اثر پذیری تب ہی ممکن ہے کہ جب شاعری کی تخلیقی صلاحیت اس قدر مستحکم ہو جس سے تصویر کشی میں دل کشی اور جاذبیت کے باعث بار بار پڑھنے کو جی چاہے اور میر کی مثنویوں میں غم و آلام کے دنوں کی تصویر کشی بھی کمال کا درجہ رکھتی ہے۔ مثنوی "در ہجو خانہ خود کہ یہ سبب شدت باراں خراب شدہ بود" میں موسلا دھار، موسم برسات سے پیدا ہونے والے دگرگوں حالات کی عکاسی کچھ اس طرح کرتے ہیں کہ ذوقِ سلیم کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ میر کے کلام میں ندرت بیان کچھ ایسی ہے جس کی تشریح و تجزیہ کرنا مشکل ہے۔

جسم خاکی میں جس طرح جاں ہے　　اس طرح خانہ ہم پر زنداں ہے
ظلمتیں اس کی سبب یہ روشن ہیں　　زندہ درگور ہم کئی تن ہیں
ہے جو سر کوب اک بڑی دیوار　　واں سے جھانکو تو ہے اندھیرا غار
بخت بد دیکھ سارے پرنالے　　اس کے معمار نے ادھر ڈھالے

اب جو آیا ہے موسم برسات　　دن کو ہے اپنے ہاں اندھیری رات

مابعد الطبیعاتی جمالیات (Metaphysical Aesthetics) اور مافوق الفطرت عناصر اور واقعات کا تسلسل مثنویوں کے ہر دور میں تخلیق ہونے والا ادب، شعر و سخن کے سلسلے اس عہد کی سیاسی اور سماجی تاریخ و تمدن کے آئینہ دار بھی ہوتا ہے۔ میر نے اپنے ماحول اور عصری صورت حال کا گہرا شعور رکھا۔ وہ اپنے عہد کے سماجی و سیاسی حالات سے نہ صرف متاثر ہوئے بلکہ خانہ جنگی لوٹ کھسوٹ، قتل و غارت گری، عوام کی حق تلفی اور سیاسی انتشار کے عروج کی سچی شعری عکاسی اس طرح کی جس کی کسک آج بھی عصرِ حاضر کی آواز معلوم ہوتی ہے۔ مثنوی دیگر (در بیان کذب) کے اشعار دیکھئے، میر کس دردمندی سے کہتے ہیں۔

اے جھوٹھ آج شہر میں تیرا ہی دور ہے
شیوہ یہی سبھو ں کا یہی سب کا طور ہے

اے جھوٹھ تو شعار ہوا ساری خلق کا
کیا شاہ ، کیا وزیر کا ، کیا اہلِ دلق کا

اے جھوٹھ تجھ سے ایک خرابی میں شہر ہے
اے جھوٹھ تو غضب ہے، قیامت ہے، قہر ہے

اے جھوٹھ رفتہ رفتہ تیر ا ہوگیا رواج
تیری متاع باب ہے ہر چار سو میں آج

میر کی شاعری میں زندہ شاعری کے اجزاء ان کے ہم عصر شعراء کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہیں عصر حاضر کے ساتھ ان کا وہی رشتہ ہے جو روایات کے ساتھ جدت کا ہوتا ہے۔ ان کی شاعری کا بڑا اعجاز ہے یہ کہ ان کو نہ صرف بیسویں صدی کے حالات کے تناظر میں دیکھا گیا بلکہ آج اکیسویں صدی کے تناظر میں بھی پرکھا جارہا ہے۔ ان کے ہاں ایسے موضوعات اور ایسا اسلوب ہے جو ہماری آج کی نفسیات اور صورت حال کے مطابق ہے، مثلاً ان کا وجودیتی طرزِ احساس، احساس تنہائی، رنگ تصوف، عظمتِ آدم، ہوشیاری، بیداری، وقوف ذات، معنی یابی، حسی لذتوں کی طرف میلان، انسانی دانش غرض ان کے ہاں، غزل کے ساتھ ساتھ، مثنویوں میں بھی ایسے اشعار بکثرت مل جاتے ہیں۔ جن کو پڑھ کر یہ احساس ہوتا ہے کہ ان میں ہمارے عہد کی بات کی گئی ہے۔ (۱۱) میرؔ نے اپنی مثنویوں میں عشق کی ہمہ گیر صفات کی اور دنیا کے بے ثبات کارخانہء حیات میں ان کی اہمیت سے روشناس کرایا ہے۔ زندگی میں سماجی طور پر محبت و رواداری کے فروغ کے لیے میرؔ کی مثنویوں کے کردار اپنے اعلیٰ مقصد کی خاطر دیوانہ وار جان دیتے ہیں۔ اٹھارویں صدی کا زوال پذیر اور انتشار کا حامل معاشرہ اگر عشق کے اس تصور سے پوری طرح آشنا ہو جاتا جس میں اعلیٰ مقصد کیلئے جان دینا نئی زندگی کا آغاز ہوتا تو پھر اس زوال کا عروج ممکن تھا۔ یہ وہی تعلیم عشق تھی جو میر کے والد نے میر کو دی تھی۔ ذکر میرؔ میں شامل مندرجہ ذیل اقتباس پر غور و فکر کی دعوت دیتا ہے۔

"اے بیٹے عشق اختیار کر، اس کارخانے (دنیا) میں اسی کا تصرف ہے اگر عشق نہ ہو تو نظم کل کی صورت پیدا نہیں ہو سکتی۔ عشق کے بغیر زندگی وبال ہے۔ عشق ہی سوز و ساز ہے۔ دنیا میں جو کچھ ہے وہ عشق ہی کا ظہور ہے" (۱۲)

اسی تصور عشق کے تسلسل میں مثنوی "شعلہ شوق" میں میر محبت کو کائنات کی تخلیق کا باعث قرار دیتے ہیں اور "مثنوی معاملات عشق" میں محبت اور متصوفانہ فکر کو سماج میں اجاگر کرنے کے لیے کہتے ہیں۔

کچھ حقیقت نہ پوچھو کیا ہے عشق　　حق اگر سمجھو تو خدا ہے عشق
عشق ہی عشق ہے نہیں ہے کچھ　　عشق بن تم کہو کہیں ہے کچھ
عشق تھا جو رسول ہو آیا　　ان نے پیغام عشق پہنچایا
عشق حق ہے کہیں، نبی ہے کہیں　　ہے محمدؐ کہیں، علی ہے کہیں
عشق عالی جناب رکھتا ہے　　جبرئیل و کتاب رکھتا ہے

بقول جمیل جالبی:

"یہی وہ عشق ہے جو ہمیں حضرت عیسیٰ کی صلیب میں رسول خدا کے پیغام میں، منصور کے دار پر چڑھنے کے عمل میں ابن العربی کے فلسفے میں مولانا روم کی مثنوی میں، سعدی کی شاعری میں اور اقبال کی فکر میں نظر آتا ہے۔ میر کی عشقیہ مثنویوں میں یہ تصور عشق مادی و روحانی اور مجازی و حقیقی سطح پر مل کر ایک وحدت بن گیا ہے۔ اس تصور عشق کی مابعد الطبیعات سے واقف ہوئے بغیر مولانا روم کی مثنوی، ابن العربی کے تصور عشق اور میر و اقبال کی شاعری کو نہیں سمجھا جا سکتا" (۱۳)

میر نے مثنوی کو غزل کی طرح داخلی جذبات کے اظہار کا ذریعہ بنایا۔ ڈاکٹر سید عبد اللہ لکھتے ہیں۔

"میر کی مثنویاں میر حسن کی مثنوی کی طرح خیالی اور افسانوی دنیا کی کہانیاں نہیں بلکہ اپنے ہی غم دل کے قصے ہیں۔ اس لحاظ سے بھی ان کی مثنویاں معناً (معنوی طور پر) غزل کی حدود میں پہنچ جاتی ہے۔" (۱۴)

میر کی مثنویوں کے نگار خانے میں ایک اور تصویری جھلک، ایک اور بڑا موضوع اپنے ماحول اور خارجی کائنات کی ترجمانی ہے۔ ان میں کچھ مثنویاں یعنی شکار نامہ اول اور شکار نامہ دوم، نواب آصف الدولہ کے شکار کھیلنے کے بارے میں ہیں۔ شکار نامہ کی بحریں بڑی ولولہ انگیز ہیں۔ میر صاحب نے شکار نامے کی بحر میں فوجیوں کے چلنے بڑھنے اور یلغار کے لیے "مارچ" کی مطابقت پیدا کی ہے۔

چلا آصف الدولہ بہر شکار　　نہاد بیاباں سے اٹھا غبار
روانہ ہوئی فوج دریا کے انگ　　لگا کانپنے ڈر سے شیر و پلنگ
طیور آشیانوں سے جانے لگے　　وحوش اپنی جانیں چھپانے لگے

میر تقی میر کی مثنویاں ان کی غزلیات کی طرح تغزل کی حامل ہیں۔ مزاج میں طبیعت کی اختصار پسندی کی وجہ میرؔ اپنی ان مثنویوں میں قصہ گوئی کے بہت سے تقاضوں کو پورا نہ کر سکے مگر تناظر کی بھرپور تصویر کشی، حیوانی اور انسانی کرداروں کی تخلیق سے اس دور کے سماجی ماحول کی بھرپور عکاسی کر گئے۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی رائے میں میر کی غزل اور ان کی شخصیت کو سمجھنے کے ان مثنویوں کا مطالعہ بے حد ضروری ہے۔ میرؔ کی مثنویوں کے نگار خانے کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ان میں مافوق الفطرت عناصر کا غلبہ نہیں ہے۔ ذاتی اور حقیقی زندگی سے ان مثنویوں کے کردار لیے گئے ہیں یہ بھی ہے کہ شدت کے لحاظ سے جو آفاقیت اور شیرینی ان کے ہاں نظر آتی ہے وہ کسی اور اردو شاعر کو نصیب نہیں۔ غزل کی طرح ان کی مثنویوں کی بھی یہی خصوصیت ہے۔ میرؔ کی دلکش زبان میں تغزل کا رس عشق کے موضوع کو محض جذباتی کیفیت رہنے نہیں دیتا بلکہ ڈاکٹر فرمان فتح پوری کے مطابق:

"عشق کا جیسا سچا، شدید اور اثر انگیز بیان میر کے ہاں ملتا ہے وہ مجموعی حیثیت
سے اردو کے چند شعراء کے سوا کسی اور مثنوی نگار کے ہاں موجود نہیں۔"(۱۵)

"مثنویٰ شعلہ شوق" میں میر نے کائنات اور اس کے نظام، انسان اور خدا کے مابین سارے رشتوں کی بنیاد میں عشق کے جذبے کو بحر کنار قرار دیا ہے۔ جو ساری زندگی پر محیط ہے۔ محبت کے جذبے کو یوں بیان کرتے ہیں۔

محبت نے ظلمت سے کاڑھا ہے نور　　نہ ہوتی محبت ، نہ ہوتا ظہور
محبت مسبب ، محبت سبب　　محبت ہی اس کارخانے میں ہے
محبت سے سب کچھ زمانے میں ہے　　محبت سے کس کو ہوا ہے فراغ
محبت نے کیا کیا دکھائے ہیں داغ　　محبت اگر کار پر داز ہو

میر نے اسی تصور عشق کو اپنی شاعری کے ذریعے، انسانی تخیل کا حصہ بنا کر جذباتی و عملی سطح پر محسوسات کی شکل دے دی اور ساتھ ساتھ اس تصور کی علویت کو غم و حزن کی لے سے ملا کر ایک وحدت بنا دیا۔ یہ ان کی عشقیہ شاعری کا بڑا دائرہ ہے اور دوسرا دائرہ اسی دائرے کے اندر اپنا ہالہ بناتا ہے۔(۱۶)

میر نے انسانیت، سماجی رواداری اور دردمندی کے لیے اپنے زمانے کی مروجہ اصطلاح عشق سے کام لیا۔ میرؔ نے اپنی قوت متخیلہ کو مثنویوں کے رنگ و روپ میں کچھ اس طرح سمویا ہے کہ وہ زندگی کی بصیرت بن جاتیں ہیں۔ میرؔ کی مثنویاں قوم کے زوال میں بھی ایک پُر امید خواب بن و سیع المشربی کی عکاس ٹھہرتی ہیں۔ ان کی مثنویوں کی رنگارنگی پر مبنی یہ نگار خانہ، عصر حاضر میں ایک خاص طرزِ فکر کی بنیاد ٹھہرتا ہے۔ میرؔ کی مثنویوں کے درج بالا جائزے سے معلوم ہوتا ہے کہ میرؔ کی مثنویاں اتنی ہی اہم ہیں جتنی کہ ان کی غزل، اس لیے کہ ہم ان کی مثنویوں میں ان کی شخصیت، ان کے غزل کے لب و لہجے، سوز و گداز، اختصار پسندی کو سمجھتے ہیں بلکہ میرؔ نے اپنی مثنویوں میں اپنے مخصوص متغزلانہ اسلوب میں (مثنوی ہونے کے باوجود) اپنے دور کی تہذیب و معاشرت اور اپنی روح عصر کو خوب صورت شاعرانہ اسلوب میں بلاکم و کاست بیان کیا ہے۔ ان کی مثنویاں صحیح معنوں میں ایک ایسا تخلیقی نگار خانہ ہیں جس میں ہم جابجا ان کی شخصیت اور تہذیب و معاشرت کے نقوش دیکھ سکتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اُردو، (جلد دوم)، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۹۶ء، ص: ۵۲۰

۲۔ میر تقی میر، کلیات میر، مثنویات، مرتبہ، فائق، کلب علی خاں، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۸۴ء، ص: ۷

۳۔ گیان چند جین، ڈاکٹر، اُردو مثنوی شمالی ہند میں، دہلی، انجمن ترقی اُردو ہند، ۱۹۶۹ء، ص: ۱۹۹

۴۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اُردو، (جلد دوم)، ص: ۵۸۰

۵۔ آسی، عبد الباری، میر تقی میر، نقوش، میر تقی میر نمبر ۲، شمارہ ۱۲۶، لاہور، ادارہ فروغ اُردو، ۱۹۸۰ء، ص: ۱۳

۶۔ ایضاً۔

۷۔ عبد الحق، مولوی، انتخاب کلام میر، (نقوش میر تقی میر)، لاہور، ادراہ فروغ، ۱۹۸۰ء، ص ۷۰، ۷۱

۸۔ خواجہ احمد فاروقی، ڈاکٹر، میر تقی میر حیات اور شاعری، دہلی، انجمن ترقی اُردو ہند ۱۹۵۴، ص ۴۳۹

۹۔ ایضاً، ص ۴۴۰

۱۰۔ تبسم کاشمیری، ڈاکٹر، اُردو ادب کی تاریخ، (ابتدا سے ۱۸۵۷ تک)، لاہور، سنگ میل پبلیکشنز، ۲۰۰۳ء، ص: ۳۲۳، ۳۲۲

۱۱۔ درج کردہ بحث کے لیے ڈاکٹر اسلم انصاری کا مضمون بعنوان "میر کی معنویت: عصر حاضر میں" کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے، مشمولہ، اسلم انصاری، ڈاکٹر، جسے میر کہتے ہیں صاحبو- مطالعاتِ میر، ص: ۲۰ تا ۳۱

۱۲۔ عبد اللہ، ڈاکٹر، سید، نقد میر، لاہور، اُردو مرکز، ۱۹۶۴ء، ص: ۲۹۶

۱۳۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اُردو، (جلد دوم)، ص: ۲۲۹

۱۴۔ عبد اللہ، ڈاکٹر، سید، نقد میر، ص: ۳۰۰

۱۵۔ میر تقی میر کو ان کی مثنویات کی روشنی میں دیکھنے کے لیے درج ذیل مآخذ سے مدد لی گئی ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجئے: فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، میر کو سمجھنے کے لیے، ص: ۴۷، ۱۱۳

۱۶۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو، (جلد دوم)، ص: ۵۸۰

References in Roman Script:

1. Jamil Jalibi, Dr., Tareekh Adab Urdu, Jild Dowam, Lahore, Majlis-e-Taraqqi Adab, 1996, p: 520
2. Mir Taqi Mir, Kulliyat-e-Mir, Masnaviyaat, Murattiba, Faiq, Kalb Ali Khan, Lahore, Majlis-e-Taraqqi Adab, 1984, p: 7
3. Gyan Chand Jain, Dr., Urdu Masnavi Shumali Hind Mein, Delhi, Anjuman Taraqqi Urdu Hind, 1969, p: 199
4. Jamil Jalibi, Dr., Tareekh Adab Urdu, Jild Dowam, p: 580
5. Aasi, Abdul Bari, Mir Taqi Mir, Nuqoosh, Mir Taqi Mir Number 2, Shumara 126, Lahore, Idara Farogh Urdu, 1980, p: 13
6. Ibid

7. Abdul Haq, Molvi, Intikhab Kalam Mir, (Nuqoosh Mir Taqi Mir), Lahore, Idara Farogh, 1980, p: 70, 71
8. Khwaja Ahmad Farooqi, Dr., Mir Taqi Mir Hayat Aur Shayari, Delhi, Anjuman Taraqqi Urdu Hind, 1954, p: 439
9. Ibid, p: 440
10. Tabassum Kashmiri, Dr., Urdu Adab Ki Tareekh, (Ibtida Se 1857 Tak), Lahore, Sang-e-Meel Publications, 2003, p: 322, 323
11. Darj Kardah Bahas Ke Liye Dr. Aslam Ansari Ka Mazmoon Unwan "Mir Ki Maanwiyat: Asr-e-Hazir Mein" Ka Mutala Kiya Ja Sakta Hai, Mashmoola, Aslam Ansari, Dr., Jise Mir Kehte Hain Sahibo - Mutaliat-e-Mir, p: 20 Ta 31
12. Abdullah, Dr., Syed, Naqd-e-Mir, Lahore, Urdu Markaz, 1964, p: 296
13. Jamil Jalibi, Dr., Tareekh Adab Urdu, Jild Dowam, p: 229
14. Abdullah, Dr., Syed, Naqd-e-Mir, p: 300
15. Mir Taqi Mir Ko Un Ki Masnaviyaat Ki Roshni Mein Dekhne Ke Liye Darj Zail Makhaz Se Madad Li Gayi Hai. Tafseel Ke Liye Mulahiza Keejiye: Farman Fateh Puri, Dr., Mir Ko Samajhne Ke Liye, p: 47, 113
16. Jamil Jalibi, Dr., Tareekh Adab Urdu, Jild Dowam, p: 580